R. N 2186/57, Regd. No. A 922

انجمن ترقی اردو ہند کا پندرہ روزہ اخبار

ہماری زبان

Telephone No. 26

Telegrams: "ANJUMAN"

جلد ۲۱۔ شمارہ ۸ | ایڈیٹر۔ آل احمد سرور | علی گڑھ۔ ۲۲ فروری ۱۹۶۲ء

محمد عتیق صدیقی

ذکرِ آزاد

"مولوی غلام محی الدین آزاد دہلوی، ایڈیٹر لسان الصدق" کے نام سے ۱۹۰۳ء میں مولانا آزاد پہلے پہل اردو کی علمی ادبی دنیا سے روشناس ہوئے۔ اس رسالے نے تو صرف چند مہینوں کی زندگی پائی[1] لیکن ۱۹۰۵ء کے اوائل تک "ایڈیٹر لسان الصدق" کا لاحقہ ان کے نام کا جزو بنا رہا۔ ۱۸ اپریل ۱۹۰۵ء کے اخبار وکیل (امرتسر) میں انجمن حمایت اسلام کے ایک سالانہ جلسے کا پروگرام شائع ہوا تھا۔ اس جلسے کے مقررین کی فہرست میں "ابوالکلام محی الدین صاحب آزاد، ایڈیٹر "لسان الصدق" کا نام بھی ہم کو نظر آتا ہے۔ لیکن چند ہی مہینوں کے بعد رسالہ "الندوہ" (لکھنؤ) اور اخبار وکیل میں ان کا نام صرف مختصر طور پر "ابوالکلام آزاد دہلوی" لکھا جانے لگا۔

گزشتہ سال خدابخش لائبریری (بانکی پور) میں بہ جہاں دسنہ کے مشہور و معروف کتب خانے کا قابل قدر علمی ذخیرہ بھی اب منتقل ہو گیا ہے، "الندوہ" کی مکمل اور وکیل کی چند ناقص جلدیں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ چوں کہ مولانا آزاد مرحوم کی زندگی میں رسالہ "الندوہ" اور اخبار "وکیل" کو ان کی صحافتی تربیت گاہ کی حیثیت حاصل ہے، اس لیے ان میں جن مضامین کے ساتھ مولانا آزاد کا نام نظر آیا، ان کے عنوانات راقم نے اپنی یادداشت میں قلم بند کر لیے۔ افسوس کہ وقت کی قلت کی وجہ سے مضامین کے اقتباسات قلم بند نہیں کیے جا سکے۔ آج ان کی چوتھی برسی کے موقع پر ان ہی یادداشتوں کو مرتب کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔

مولانا آزاد پہلے "الندوہ" سے اور پھر "وکیل" سے وابستہ رہے تھے، اسی مناسبت سے پہلے "الندوہ" کا اور پھر "وکیل" کا ذکر کیا جائے گا۔ مولانا آزاد نے "الندوہ" اور "وکیل" سے اپنے تعلق کا جو خود ذکر کیا ہے، اس کے اقتباسات بھی "ذکرِ آزاد" سے اخذ کر کے پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ ان دونوں سے مولانا آزاد کے تعلق کی نوعیت بھی واضح ہو جائے۔

الندوہ

"مولانا [شبلی] مرحوم نے [حیدرآباد کی ملازمت سے] استعفا دے دیا، اور مجھے لکھا کہ اب میں بقیہ عمر ندوے کے لیے وقف کر دینا چاہتا ہوں۔ ... یہ ٹھیک اس وقت کی بات ہے کہ دسمبر کا آخری ہفتہ تھا اور لکھنؤ میں ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس تھا۔ میں اور بھائی مرحوم اس کی شرکت کی غرض سے لکھنؤ پہنچے تھے۔ ... انھوں نے پھر خط لکھا اور اصرار کیا کہ اب زیادہ اچھا موقع ہے، لکھنؤ میں آکر رہو۔ ... میں ندوے ہی میں ٹھہر گیا، اور الندوے کی ایڈیٹری انھوں نے میرے متعلق کر دی۔ تقریباً ساڑھے آٹھ مہینے وہاں قیام رہا۔

"الندوہ میں ان کا [مولانا شبلی کا] کوئی نہ کوئی مضمون ضرور ہوتا تھا۔ ایک دو نمبر ایسے بھی نکلے کہ تمام تر مجھ ہی کو بھرنا پڑا۔"

(ذکر آزاد۔ ص ۳۱۳-۳۱۵)

الندوے کی جلدوں میں مولانا آزاد کے حسب ذیل مضامین ملتے ہیں:

صدائے حق [illegible] جلد ۲ نمبر ۸ اکتوبر ۱۹۰۵ء

---

[1] تفصیلات کے لیے رسالہ جامعہ (فروری ۱۹۶۱ء) میں راقم کا مضمون "لسان الصدق (مولانا آزاد کی شخصیت کی ایک گمشدہ کڑی)" ملاحظہ ہو۔

[2] یہ مضمون وکیل (امرتسر) میں بھی الندوے کے حوالے سے نقل کیا گیا تھا۔ (وکیل جلد ۱۱، نمبر ۱۰۶، ۲ دسمبر ۱۹۰۵ء)

المرأۃ المسلمۃ[1]	(۱)	جلد ۲، نمبر ۹	نومبر ۱۹۰۵ء
	(۲)	جلد ۲، نمبر ۱۰	دسمبر ۱۹۰۵ء
علمی خبریں		جلد ۲، نمبر ۱۱	جنوری ۱۹۰۶ء
ندوۃ العلماء میں ایک کتب خانہ کی ضرورت (ڈیٹوریل)		جلد ۲، نمبر ۱۲	فروری ۱۹۰۶ء
المرأۃ المسلمۃ	(۳)	" "	" "
النقد فی الاسلام		" "	" "
یورپ میں لوگوں کی تعلیم		جلد ۳، نمبر ۱	مارچ ۱۹۰۶ء
علمی خبریں		" "	" "

وکیل

"... لاہور کے پچھلے سفر میں جن لوگوں سے خاص طور پر ملاقاتیں رہی تھیں، ان میں مرحوم شیخ غلام محمد مالک وکیل بھی تھے۔ وہ اس کے بعد برابر خواہش مند رہتے تھے کہ میں وکیل میں مضامین لکھا کروں چناں چہ گاہ گاہ مضامین بھیجا کرتا تھا۔ لکھنؤ میں ان کا خط آیا کہ حامد علی صدیقی جو اس وقت ایڈیٹر تھے، اپنی اصلی ملازمت پر واپس چلے گئے ہیں۔ اب کوئی ایڈیٹر نہیں ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ آجاتے۔ اگر آپ آجائیں تو میں اخبار بالکل آپ کے سپرد کردوں، اور پوری آزادی سے آپ اپنے خیالات ظاہر کرسکتے ہیں۔ ... میں مولانا شبلی سے الگ ہونا پسند نہیں کرتا تھا۔ ... پھر ان کا خط آیا، اور انجمن حمایت اسلام کا بھی سالانہ جلسہ ہونے والا تھا، چناں چہ میں لاہور گیا، اور جلسے کے بعد امرتسر آیا۔ پہلے تو محض عارضی طور پر اخبار کی ترتیب شروع کی، کیوں کہ اس وقت دفتر میں کوئی انتظام نہ تھا، مگر اس کے بعد طبیعت لگنا شروع ہوگئی اور میں نے رائے قائم کرلی کہ کچھ دنوں اس عالم کی بھی سیر کرلی چاہیے۔

"... چند ہفتوں کے بعد اس کی ایڈیٹری کی پوری ذمہ داری قبول کرلی۔ اس زمانے میں وکیل ہفتہ میں تین بار نکلتا تھا، اور دفتر میں بجز ایک مترجم اخبار کے، اور کوئی مدد گار نہ تھا۔ ... اخبار کے لیڈنگ آرٹیکل سے لے کر جزوی میوا دنگ سب، گویا تن تنہا ہی مرتب کرنا پڑتا تھا۔ ... وکیل کی اشاعت اس زمانے میں بہت بڑھ گئی، ابھی پہلے سے ڈیوڑھی ہوگئی، اور لوگوں نے اس کے مباحث اور علمی و ادبی رنگ کی ترقی محسوس کی۔

"سال بھر تک وہاں رہا تھا کہ بھائی مرحوم کے اُمنے اذ انتقال کرنے کی خبر ملی اور طبیعت اس درجہ دل برداشتہ ہوئی کہ وہاں قیام تکلیف دینے لگا۔ اس اثنا میں والد مرحوم نے پے در پے اصرار کیا اور پھر کلکتے سے دو آدمی لانے کے لئے بھیج دیئے۔ [اس کے بعد عارضی طور پر وکیل کی ادارت سے وہ سبک دوش ہوگئے]"

(ذکر آزاد۔ ص ۳۱۷ - ۳۱۹)

"چند دنوں کے بعد میں دوبارہ امرتسر گیا مولوی غلام محمد مرحوم کے خطوط برابر آتے رہتے تھے، اور جب میں وہاں سے آیا تھا تو اس وقت بھی عارضی علیحدگی کی صورت تھی، اور واپسی کا وعدہ تھا۔ ...

"اس مرتبہ میں نے محسوس کیا کہ اخبار کا ہفتے میں تین بار نکلنا تقریباً بے سود ہے۔ ... اور اخبار کو ہفتہ وار کردیا۔ دو مرتبہ میں ضخامت اس سے کہیں زیادہ ہوتی تھی جتنی تین مرتبہ میں ہوا کرتی تھی۔

"... اس مرتبہ میرے پولیٹیکل خیالات میں خاص مسائل ہند کے متعلق وہ تبدیلی ہوئی جس نے آگے چل کر الہلال کے مسلک کی طرف رہنمائی کی۔ چوں کہ شیخ غلام محمد اس سے متفق ہوسکتے تھے اور نہ سمجھ سکتے تھے ... اس لئے نو دس مہینے کے بعد پھر میں دل برداشتہ ہوا اور امرتسر سے جی اچاٹ ہوگیا۔"

(ذکر آزاد۔ ص ۳۲۲ - ۳۲۵)

وکیل کی ادارت کے سلسلے میں کسی جگہ بھی مولانا آزاد نے اس کی صراحت نہیں کی ہے کہ انھوں نے کس سنہ میں وکیل کو اپنے ہاتھ میں لیا لیکن واقعات کی کڑیوں کو اگر ملایا جائے تو سنہ کا تعین مشکل نہیں ہے۔ ان کی ترتیب یوں ہوگی:

۱۔ وکیل کے سلسلے میں مولانا آزاد کا جو بیان نقل کیا گیا ہے اس کے ابتدائی حصے سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ لکھنؤ سے وہ لاہور گئے، لاہور سے امرتسر آئے، اور وکیل کی ادارت کا کام انھوں نے شروع کردیا۔

۲۔ مارچ ۱۹۰۶ء تک مولانا آزاد یقیناً لکھنؤ میں تھے کیوں کہ مارچ ۱۹۰۶ء کے "الندوہ" کا پورا اشمارہ ان کے مضامین سے پر ہے۔ اور اپریل ۱۹۰۶ء کے بعد ان کا ایک مضمون بھی "الندوہ" میں ہم کو نہیں ملتا ہے۔

۳۔ انجمن حمایت اسلام کے جس سالانہ جلسے کی طرف خود انھوں نے اشارہ کیا ہے وہ غالباً اپریل ۱۹۰۶ء میں منعقد ہوا ہوگا کیوں کہ اس سے پہلے کا سالانہ جلسہ اپریل ۱۹۰۵ء میں ہوا تھا جس میں مولانا آزاد نے بھی شرکت کی تھی، جس کا حال ہم کو "وکیل" مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۵ء سے معلوم ہوتا ہے۔

اگر واقعات کی یہ ترتیب صحیح ہے تو اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ مئی ۱۹۰۶ء سے مولانا آزاد نے وکیل کی ادارت شروع کی ہوگی اور یہ سلسلہ مولانا آزاد کے بیان کے مطابق ایک سال تک جاری رہا۔ یعنی مئی ۱۹۰۷ء تک۔

آٹھ نو مہینے کے وقفے کے بعد۔ جنوری یا فروری ۱۹۰۸ء میں پھر وہ امرتسر واپس آئے اور وکیل کی دوبارہ ادارت شروع کی۔ یہ سلسلہ نو دس مہینے یعنی ۱۹۰۸ء کے اواخر تک جاری رہا۔

راقم نے وکیل کی بیش تر فائلیں (۱۸۹۹ء تا ۱۹۱۲ء) سرسری طور پر دیکھی ہیں، ان کے جو اقتباسات اپنی یادداشت میں اس وقت نقل کئے تھے ان میں اس عہد کا کوئی اقتباس نہیں ہے جس میں مولانا آزاد وکیل سے وابستہ تھے۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ ان کے زمانے کے شمارے غائب ہیں۔ لیکن اگر جستجو کی جائے تو کہیں نہ کہیں ان کا مل جانا مشکل نہیں ہے۔ اس اجمالی بیان کے بعد وکیل کے ان شماروں کی نشان دہی کی جارہی ہے جن میں مولانا آزاد سے متعلق کوئی یا ان کا مضمون وکیل کے موجودہ شماروں میں ملتا ہے۔

(باقی صفحہ ۸ پر)

---

[1] یہ مضمون جس دالاقساط وکیل میں نقل ہوا ہے، لیکن الندوہ کا حوالہ نہیں ہے۔ پہلی قسط میں صاحب مضمون کا نام "ابوالکلام آزاد دہلوی" اور دوسری میں "ابوالکلام آزاد دہلوی دارالعلوم ندوہ، لکھنؤ" لکھا گیا ہے۔
(وکیل، جلد ۱۱، نمبر ۱۳ - ۱۴، ۳ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۰۶ء)

[2] یہ وقفہ چند دنوں کا نہیں بلکہ آٹھ نو مہینے کا تھا، جیسا کہ آگے چل کر انھوں نے خود لکھا ہے۔ (دیکھئے ذکر آزاد۔ ص ۳۲۲)

ہماری زبان

۲۲ر فروری ۶۲ء

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

چار سال ہوئے جب مولانا ابوالکلام آزاد کے انتقال نے سارے ملک میں رنج و غم کی ایک لہر دوڑا دی تھی۔ آج وہ دن پھر یاد آ رہا ہے جب سارا دہلی ہندوستان کے اس عظیم رہنما کو آخری خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے اُمڈ آیا تھا۔ جب ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی یہ سمجھ رہے تھے کہ اُن کی ایک متاعِ عزیز کھو گئی، جب جواہر لال نہرو کی اشکبار آنکھیں اُن کے اور دل کی گہرائی [illegible] تھیں، جب جامع مسجد کے سامنے جہاں ایک ہفتہ پہلے اُن کی آواز گونج رہی تھی، انھیں قبر میں اُتارا جا رہا تھا۔ یہ دن، یہ تاریخ، یہ ساعت سب ہم سے کچھ کہتے ہیں اور ہم ہمیشہ یاد رکھیں ان کی گفتگو جاری رہے گی۔

مولانا آزاد ایک شخص نہیں ایک علامت تھے۔ جس طرح ہندوستان کی مشترک تہذیب میں سبھی عناصر اپنی اپنی انفرادیت رکھتے ہوئے ایک بے مثال وحدت کا ثبوت دیتے ہیں اسی طرح مولانا آزاد کی ذات میں بھی قدیم و جدید، مذہب و سیاست، اخلاق اور علم مل جل کر ایک عہد آفریں شخصیت بن گئے تھے۔ مولانا عالموں میں بہت بڑے عالم تھے، مفسروں میں بڑے مفسر تھے، صحافیوں میں بڑے صحافی تھے، آزادی کی لڑائی لڑنے والوں میں سب سے بڑے سپاہی تھے، مدبروں میں اُن کے ناخنِ تدبیر کی سی گرہ کشائی کم دیکھنے میں آئی، ایوانِ حکومت میں ان کے سے وسیع اور [illegible] والے کم نظر پڑے۔ اردو [illegible] والے ان کی [illegible] پرورش کرتے رہے، تہذیب کے فرزندوں کو انھوں نے مذہب کا احترام سکھایا، مذہب پر لڑنے والوں کو انھوں نے [illegible] کا درس دیا۔ قدامت کے وزن و وقار کو انھوں نے راہ میں دیوار کی طرح استعمال نہ کیا، بلکہ اسے جدید دور کی [illegible] کا علم بنا دیا۔ اردو زبان کو انھوں نے بے مثل خطابت سے سارے ہندوستان میں پھیلا دیا اور اردو ادب کو اپنی تحریروں سے انھوں نے ایسے سوزِ دروں کی چنگاریاں دیں۔

جب آزاد ہندوستان تیسری بار عام چناؤ سے گزر رہا ہے ان قدروں کو پھر یاد کرنا چاہئے جن کی حفاظت [illegible] اور جن کے سہارے انھوں نے مخالفتوں کے بڑے طوفان [illegible]۔ مولانا نے ثابت کیا کہ مذہب ہمیں قومیت کے راستے سے نہیں روکتا، بلکہ اس راستے پر چلنا سکھاتا ہے۔ انھوں نے دکھایا کہ قومی وحدت کے معنی یکجہتی اور [illegible] یک رنگی کے نہیں بلکہ [illegible] اور دل آویز رنگا رنگی کے ہیں۔ انھوں نے [illegible] مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے لئے فلاح اسی میں ہے کہ وہ ایک غیر مذہبی ریاست بنائیں جو کسی مذہب میں فرق نہ کرے اور سب کا یکساں احترام کرے۔ انھوں نے ہماری تمام زبانوں کو قومی سرمایہ قرار دیا اور سب پر فخر کرنا سکھایا۔ اُن کے خطوط سے واضح ہوتا ہے کہ جب سرحد میں کچھ لوگ اُردو کی تعلیم ہندوؤں کے لئے لازم کرنا چاہتے تھے تو اُن کی دوربیں نظر یہ دیکھ رہی تھی کہ اس منطق سے اتر پردیش اور بہار کے ہندو، ہندی کو سب کے لئے لازمی قرار دیں گے۔ اس لئے وہ لسانی اقلیتوں کے حقوق کو سرکاری طور پر منوانے کے لئے کوشاں رہے۔ وہ مرنے سے کچھ دن پہلے پکار پکار کے کہہ گئے کہ اُردو بھی ایک قومی زبان ہے اور اس کے حقوق کو بھی تسلیم کرنا چاہئے اور اس کی اور کسی [illegible] مثلاً ہندی سے کوئی رقابت نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ بہت سے خواب جو وہ سینے سے لگائے ہوئے تھے حقیقت نہ بن سکے، لیکن وہ ان خوابوں کو حقیقت بنانے کے لئے کوشاں تو رہے، سود و زیاں کی دنیا میں انھوں نے جنوں سے سودا تو کیا۔

آج عوام اور حکومت دونوں کا فرض ہے کہ ان عظیم قدروں کی جو [illegible] اور مولانا آزاد کو عزیز تھیں اور جن کی حفاظت آج جواہر لال نہرو کر رہے ہیں، ہر طرح حفاظت کریں۔ ہمارا ملک تیزی سے بدل رہا ہے۔ تغیر اچھی چیز ہے۔ [illegible] مگر اچھا سماج تغیر کی رو میں ان قدروں کی حفاظت کو نہیں بھولتا جن کو لے کر وہ آگے بڑھتا ہے۔ آزاد کا پیام آج بھی زندہ ہے اور اس پر عمل کرنے میں ہی ہماری نجات ہے۔

راجستھان میں انجمن کی ایک نئی شاخ

[illegible] انجمن ترقی اردو ہند کی شاخ قائم ہو کر اس کا الحاق [illegible] شاخ جے پور سے منظور ہو [illegible]۔ عہدہ دار حسب ذیل اصحاب منتخب ہوئے۔

۱۔ جناب الحاج [illegible] الٰہی بخش صاحب صدر
۲۔ جناب [illegible] صاحب نائب صدر
۳۔ جناب شیخ [illegible] علاء الدین صاحب جنرل سکریٹری
۴۔ جناب [illegible] صاحب نائب سکریٹری
۵۔ جناب [illegible] صاحب نائب سکریٹری
۶۔ جناب [illegible] بخش صاحب خازن
۷۔ جناب [illegible] صاحب نائب خازن۔

(نامہ نگار)

رانچی یونیورسٹی کا لسانی اقلیت آزار سرکلر

جمشید پور کے اداروں کا احتجاج

جمشید پور، رانچی یونیورسٹی نے ہندی میں امتحانات کے جوابات لکھنے کی جو پابندی عائد کی ہے، اسے لسانی اقلیتوں کے لیے دل آزار اور مفاد کش قرار دیتے ہوئے جمشید پور کے معروف اداروں کے عہدہ داروں نے حسب ذیل بیان دیا ہے:

"رانچی یونیورسٹی کے حالیہ اقلیت آزار سرکلر کو ہم لوگ غیر آئینی، غیر منصفانہ اور قوم کا دشمن سمجھتے ہوئے اس کی فوری واپسی کا پُرزور مطالبہ کرتے ہیں۔ سرکلر مذکور کے ذریعہ رانچی یونیورسٹی نے دستور ہند میں دیے گئے لسانی حقوق کی خلاف ورزی کی ہے۔ سرکلر کے مطابق ۱۹۷۲ء سے اڑیا، بنگالی اور اُردو زبانوں کے طالب علموں سے اپنی اپنی مادری زبانوں میں جوابات لکھنے کا بنیادی حق چھین لیا گیا ہے اور اس طرح مختلف لسانی اقلیتوں کی تعلیمی توسیع میں رکاوٹ پیدا کر کے دوسرے ہم وطنوں کے ساتھ ملک کی تعمیر و ترقی میں مساویانہ خدمت کے مواقع ختم کر دیے ہیں۔ نیز اس کے ذریعہ مختلف زبانوں کے بولنے والوں میں پھوٹ پیدا کر کے ملک کی سالمیت اور قومی یکجہتی پر کاری ضرب لگائی ہے۔ یہ امر بھی نہایت توجہ طلب ہے کہ رانچی یونیورسٹی کے ماتحت چلنے والے کالجوں کے طلبہ و طالبات کی اکثریت غیر ہندی والوں کی ہے۔ اس نظر سے بھی سرکلر قطعی غیر منصفانہ ہے۔ لہٰذا ہم لوگ اس غیر آئینی، قوم دشمن اور قطعی غیر منصفانہ سرکلر کی فوری واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔"

اس بیان پر مندرجہ اداروں کے عہدہ داروں کے دستخط ہیں:

(۱) ایم صدیق گدّی، سکریٹری جگسلائی اردو لٹریری سوسائٹی۔
(۲) شمشیر گدّی۔ صدر انجمن غوثیہ جمشید پور۔
(۳) سید [illegible] شمیم۔ سکریٹری انجمن ترقی پسند مصنفین۔
(۴) شمس فریدی۔ ایکٹنگ جنرل سکریٹری "جگسلائی اُردو کلب"۔
(۵) جمیل بینائی۔ سکریٹری حلقۂ سالک جمشید پور۔
(۶) سورن سنگھ کرن۔ صدر پنجابی ینگ مین ایسوسی ایشن جمشید پور۔

سمپورنانندجی کی صدارت میں

یوم غالب

بنارس میں ۱۵ر فروری کو غالب اکیڈیمی کے زیر اہتمام یوم غالب منایا گیا۔ اتر پردیش کے سابق وزیر اعلیٰ شری سمپورنانند نے جلسے کی صدارت کی۔ ہندو یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر ایم سی بھادت نے جلسے کا افتتاح کیا اور کنج بہاری گپت میئر بنارس کارپوریشن نے مرزا غالب کی تصویر کی نقاب کشائی کی۔ آل احمد جعفری ایڈیٹر اردو میگزین ہندو یونیورسٹی، شیوناتھ پرشاد لکچرار ڈی اے وی کالج، حمید اللہ انصاری لکچرار جے نرائن کالج، شری بنسی رنسپل ہریش چندر کالج، شری کرشن پرشاد گوڑ ایم ایل سی، شری مراری لال کیڈیا پرجا پارٹی اور بہ چاروں بھائی مرزا غالب کو خراج عقیدت پیش کیا۔

بھارتی سنسکرتی سنسد کے مشاعرے میں

پروفیسر ہمایوں کبیر کی تقریر

کلکتہ میں وزیر ثقافتی امور و سائنسی تحقیق پروفیسر ہمایوں کبیر نے بھارتی سنسکرتی سنسد کی طرف سے ہونے والے مشاعرہ کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ اردو زبان ہندوستان میں پیدا ہوئی اور یہیں اس نے نشو و نما پائی۔

پروفیسر کبیر نے خوشی ظاہر کی کہ اس اُردو مشاعرے کا انتظام بھارتی سنسکرتی سنسد نے کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ مشاعرہ اس قدر مقبول ہوتا ہے کہ ناسازگار موسم کے باوجود یہاں اتنا بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا۔

پروفیسر کبیر نے کہا کہ اُردو ایسی زبان ہے جو نہ صرف اس ملک کے ہر حصے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے بلکہ متعدد بیرونی ملکوں میں بھی سمجھی جاتی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ میں نے ازبکستان میں لوگوں سے اُردو میں باتیں کیں۔

مسٹر ہمایوں کبیر نے انکشاف کیا کہ اسی طرح کا تجربہ وزیر اعظم نہرو کو بھی تاشقند میں ہوا جہاں انھوں نے اُردو میں لوگوں کو خطاب کیا۔

انھوں نے مزید بتایا کہ پریس رجسٹرار کی رپورٹ، اور کتابوں کی اشاعت کی رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ اردو مطبوعات کی تعداد تیز رفتاری سے بڑھ رہی ہے۔

راشٹرپتی بھون میں نرالا کا جنم دن

۱۱ر فروری کو راشٹرپتی بھون (نئی دہلی) میں ہندی کے آنجہانی شاعر نرالا کا جنم دن منایا گیا۔ نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے اس موقع پر نرالا کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ نرالا نے ہندی شاعری کے خزانے میں بیش بہا اضافہ کیا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انسان کی عظمت کا اس سے اندازہ لگانا چاہیے کہ اپنے اصول و عقائد سے کس حد تک اس نے وفاداری برتی ہے، اور اپنی زندگی میں کس حد تک ان پر کاربند رہا ہے۔ یہ خصوصیات نرالا کی زندگی میں بہ درجہ اتم موجود تھیں۔

ہندی کے مشہور شاعر اور راجیہ سبھا کے ممبر رام دھاری سنگھ ڈنکر نے اس تقریب کی صدارت کی۔ انھوں نے اپنی تقریر میں یہ بات خاص طور سے کہی کہ ہندی کے ادیب و شاعر نظر انداز کیے جاتے ہیں اور ان کو کم رتبہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے ثبوت میں انھوں نے نرالا کا ذکر کیا، جن کے فن اور حیات پر اگرچہ متعدد کتابیں ہندی میں لکھی گئی ہیں لیکن جو اپنی زندگی میں تنگدستی و افلاس سے نبرد آزما رہا۔

جگن ناتھ آزاد

سیر کشمیر کا ایک تاثر

اُس اجنبی ہمسفر کے نام جس نے پہلگام اور
گلمرگ کی وادیوں میں دو روز ساتھ دیا

آزاد! ذرا دیکھ تو یہ عالمِ ارژنگ
موسم کے یہ انداز، بہاروں کے یہ نیرنگ
یہ حُسن، یہ ترتیب، یہ تزئین، یہ آہنگ
داماں خود چاک ہے، داماں نظر تنگ
ہر ذرہ ہے دامن میں لیے طور کی دنیا
ہر بات میں اک بات ہے ہر رنگ میں سو رنگ
اے روحِ بشر! تجھ سے ہیں دونوں سنگم
سبزے کی خموشی ہے کہ جھرنوں کا ہے آہنگ
اب چھوڑ بھی افسردگی اپنی دلِ ناداں!
اب پھول بھی ہو کھل کے تو اے غنچۂ دل تنگ
ہر شے سے ہویدا ہے جھلک حسنِ ازل کی
ذرہ ہے کہ تارا ہے شگوفہ ہے کہ ہے سنگ
سب عکس ترے عکس ہیں اے صورتِ پنہاں
سب رنگ ترے رنگ ہیں اے ہستیِ بے رنگ
اے دیکھنے والو! ذرا یہ بات تو دیکھو
پتے ہیں شفق رنگ تو پتھر ہیں سمن رنگ
سب کچھ یہ بجا ہے مگر اے حسنِ گریزاں
اے تو کہ تری چال پہ قرباں جمن و گنگ
اس راہ میں گر ساتھ ترا ہو نہ میسر
نغمہ فقط آواز ہے گلمرگ فقط رنگ

سید حرمت الاکرام

کیوں؟

درد فریاد کناں ہے کوئی دمساز نہیں
کس قدر سخت ہے یہ مرحلۂ دار و رسن!
بڑھ کے دامن سے لپٹتا ہے منازل کا غبار
روح میں آگ کی مانند سلگتی ہے تھکن
وقت اک ساز کہ جس میں کوئی آواز نہیں
زندگی، یاد میں ساجن کے سسکتی سی دلہن

آؤ، کچھ اشک بہائیں کوئی افسانہ کہیں
ہوئی جاتی ہے فزوں سینے کی خاموش جلن
آؤ، اک شمع جلائیں کہ ہو یہ راز عیاں
چاندنی بنتی ہے کیوں رات کی میت کا کفن؟

غزل

ڈاکٹر خورشید الاسلام

جنونِ تازہ ہے پیدا، نہ نشانِ رسمِ قدیم
شکستِ رنگِ چمن ہے، نہ شیوۂ تسلیم
مزاجِ دہر سے کچھ کم نہیں ہیں اہلِ حرم
نہ بوئے دوست، نہ رنگِ وفا، نہ ذوقِ سلیم
فریب کھائے ہیں کیا کیا نشاطِ دل کے لئے
دیارِ غیر میں کرتے ہیں سیرِ کوئے ندیم
یہ کیفیت ہے نشاط و الم سے کچھ آگے
کہ دل ہے خلدِ تماشا، دماغ شورِ جحیم
وہ اختیار ہے تیرا، یہ میری مجبوری
کہ تو ہے قاضیِ حاجات اور میں ہوں کریم

ناہید عذرا ردولوی

فقط کچھ اہلِ جنوں کی روش نہیں بدلی — بدل گئے ہیں محبت کے استعارے بھی
زمانہ ساز تراشا کئے نئے فتنے — فلک سے اہلِ جنوں توڑ لائے تارے بھی
تھمی تھمی سی ہے نبضِ حیات اے عذرا — بدل کے رکھ دیے غمِ زندگی کے دھارے بھی

اثر بہارتی

زباں پہ جن و ملائک کے نام ہے تیرا — بلند فہمِ بشر سے مقام ہے تیرا
ترے جمال کا پرتو ہے کارگاہِ حیات — اگرچہ دور فلک پہ مقام ہے تیرا
مرا ہی دامنِ امید ہے تہی اب تک — اگرچہ فیض زمانہ میں عام ہے تیرا
چمن میں غنچہ و گل تیرے گیت گاتے ہیں — نسیمِ صبح کے ہونٹوں پہ نام ہے تیرا

محمد حسین خاں مہر

عشق نامحرمِ آرام و سکوں — عشق ناواقفِ آدابِ نشاط
دل ہے یا انجمنِ لالہ رخاں — یہ جوانی ہے کہ سیلابِ نشاط
یہ تکلم ہے کہ اک موجِ بہار — یہ تبسم ہے کہ سیلابِ نشاط

واحد پریمی

تہِ خیال کی رعنائیوں میں ہم کھو کر — کبھی گلوں کبھی تاروں کی انجمن میں رہے
ہجومِ یاس و الم میں بھی تیرے دیوانے — بقدرِ جرأتِ دل اپنے بانکپن میں رہے
کسی کی چشمِ عنایت کا فیض ہے واحد — مثالِ شمع جو ہم محفلِ سخن میں رہے

آثم کرنولی

وہ جوش نہیں میخواروں میں، وہ شور نہیں پیمانوں میں
کیوں سرد نگاہِ ساقی ہے کیا آگ نہیں پیمانوں میں
اس برق روشی سے کیا ہوگا اس ایک جھلک سے کیا ہوگا
کچھ دیر جلا دو شمعِ نظر ہے جان ابھی پروانوں میں

انجمن ادب پٹنہ کا سالانہ جلسہ

۲۹ جنوری کو انجمن ادب، رام موہن رائے انسٹی ٹیوٹ کا سالانہ جلسہ شری کے. بی. سہائے سابق ریوینیو منسٹر حکومت بہار کی صدارت میں منعقد ہوا۔

شری سہائے نے دوران تقریر میں فرمایا کہ آج سے بہت پہلے جب میری رائے معلوم کی گئی تھی تو میں نے کہا تھا کہ بھارت کے لئے ایک راشٹر بھاشا ہونی چاہیے اور اس کے لئے سب سے موزوں ہندی ہی ہوسکتی ہے مگر وہ ہندی نہیں جو ہماری مذہبی کتابوں اور ویدک پستکوں میں مروج ہے بلکہ بھارت کی راشٹر بھاشا وہ ہونی چاہیے جو ہمارے شہروں اور دیہاتوں میں بولی جاتی ہے۔

ڈاکٹر اختر اورینوی نے صدر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دوران تقریر میں کہا کہ ہندی کے ساتھ ساتھ اردو کی ترقی ہندوستان کی ترقی ہے اور ہندوستان کی ترقی چاہنے والے لیڈروں سے میں کھل کر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اردو کو اس کا حق دے کر اردو والوں پر وہ کوئی احسان یا کرم نہیں کریں گے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اردو کو اس کا حق دے کر وہ اپنے ملک اور وطن کے مفاد کے لئے ایک بڑا کام انجام دیں گے۔ (مظہر الحق عابد جاوید استھانوی)

مولانا رومی کا ایک قدیم نسخہ

مشہور فارسی شاعر مولانا جلال الدین رومی (۱۲۰۷ء تا ۱۲۷۳ء) کے کلام کا ایک قدیم نسخہ بخارا میں دریافت ہوا ہے خیال ہے کہ تیرھویں صدی عیسوی میں یہ مجموعہ مرتب ہوا تھا جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ازبکستان میں رومی کے فارسی کلام کے جو قدیم نسخے دستیاب ہوئے ہیں ان میں سے قدیم ترین نسخہ یہی ہے۔

احمد آباد میں یوم والدین

مورخہ ۴ فروری ۶۲ء کو نظیر بل انجمن ہائی اسکول احمد آباد میں اردو اسکول جمال پور کا یوم والدین، زیر صدارت سروج بہن پٹیل منعقد ہوا جس میں اسکول کے طلبہ نے اپنا دلچسپ پروگرام پیش کیا۔ اس کے بعد مہیش چندر جسونت لال نے اپنے خیالات سے طلبہ، مدرسین اور والدین کو آگاہ کیا۔ محمد شریف گھیراوالا اور جلال الدین صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو صوبہ گجرات نے اردو کے متعلق مفید خیالات سامعین کے سامنے پیش کئے۔ آپ نے بتایا کہ کئی اسکول، اے. او. صاحب نے بند کر دئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ چند مدارس کو ایک دوسرے سے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ملا دیا گیا ہے۔ آج احمد آباد میں کل ۴۶ اردو مدارس ہیں۔ ان مدارس میں رہنمائے تعلیم (دہلی) نامی ۱۶ رسائل آتے ہیں۔ اگر دوسرے مدارس میں اس رسالے کی مانگ کی جاتی ہے تو اس مدرسہ کے صدر مدرس صاحب کو مایوس کیا جاتا ہے۔ سکریٹری صاحب نے آج کے جلسے کی صدر صاحبہ سے گزارش کی کہ مدارس کی تعداد کے مطابق رسائل آنے چاہئیں۔ صدر صاحبہ نے یہ مانگ پوری کرنے کا وعدہ کیا اور انھوں نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا کہ اردو ہمارے ملک کی ایک زبان ہے۔ اسے فراموش کرنا ملک کو اپاہج کرنا ہے۔

(محمد اقبال احمد بھائی)

بلاسپور میں کل ہند مشاعرہ

بلاسپور بزم جشن جمہوریت بلاسپور کا کل ہند مشاعرہ مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۶۲ء کو شان دار طریقے پر ڈاکٹر رگھویندر راؤ ہال میں منعقد ہوا حضرت علامہ انور صابری نے صدارت کی۔ اردو کے اس دور افتادہ علاقہ میں اساتذہ فن نے جمع ہو کر ایک نیا ماحول بنایا اور عوام میں اردو سے دلچسپی پیدا کر دی۔ ان شعرا حضرات کی نظمیں و غزلیں حب وطن، قومی یک جہتی، امن عالم، حسن و عشق سب ہی عنوانوں پر تھیں اور پسند کی گئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کامیاب مشاعرہ گذشتہ بیس سال میں نہ ہوا تھا۔ جس کے لئے ہیم چندر ماتھر صاحب، قاضی غیاث الدین انصاری، ڈاکٹر رائے، محمد اسمٰعیل، ڈاکٹر شہاب، جبالی عادل، محمد عبدالسبحان، مسٹر مسیح اور مقصود احمد کی کوششیں قابل قدر ہیں۔

(نامہ نگار)

بزم جیون (حیدر آباد) کی ادبی نشست

۱۰ فروری کو بزم جیون کے زیر اہتمام ایک ادبی نشست منعقد ہوئی پروفیسر ابو ظفر عبد الواحد نے صدارت کے فرائض انجام دئے۔ اس ادبی نشست میں صدر جلسہ نے "جدید شعر لین کا امام" کے زیر عنوان اصغر گونڈوی کی شاعری اور شخصیت پر سیر حاصل مضمون سنایا۔ آخر میں مقامی شعرا نے اپنا کلام سنایا۔

(معتمد عمومی بزم جیون)

اورنگ آباد میں یوم غالب

۲۵ جنوری کو زیر اہتمام ساہتیہ پریشد، شاؤن ہائر سکنڈری اسکول اورنگ آباد میں زیر صدارت پروفیسر سید ظہیر احسن صدر شعبۂ اردو سنہا کالج یوم غالب منایا گیا۔ اسکول کے پرنسپل شری رمیش چندر پرشاد کے خطبۂ استقبالیہ کے بعد سید شوکت امام، اختیار الحق قریشی، عاصم الدین، سید ابو جیا عثمانی متعلمین اسکول، سید شمیم مرتضیٰ متعلم سنہا کالج اور پروفیسر سید حسن علی شطاری نے غالب کی شخصیت پر روشنی ڈالی اس کے بعد ایک بزم مشاعرہ منعقد ہوئی جس میں مقامی شعرا نے اپنا کلام سنایا۔ (سکریٹری)

بزم اردو چکردھرپور

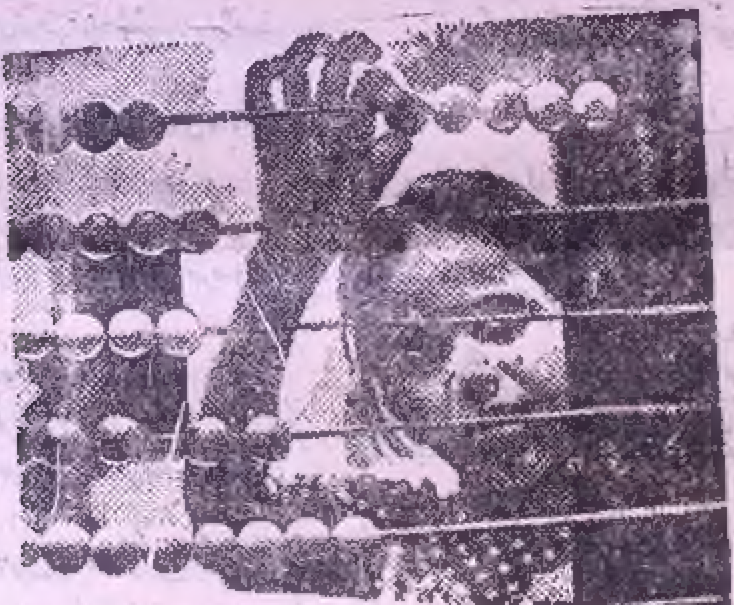
بزم اردو چکردھرپور کی ہفت روزہ ادبی نشست اردو ٹاؤن مڈل اسکول میں ہوئی۔ شری راجندر کمار وکشت نے صدارت فرمائی۔ مقامی ادیبوں اور شاعروں نے اپنی تخلیقات پیش کیں۔

مقبول عام کتابوں کا ہندی میں ترجمہ

حکومت ہند نے تیسرے پنچ سالہ پلان کے دوران میں ناشروں کے تعاون سے کتابوں کی ایک کثیر تعداد کا ہندی میں ترجمہ کرکے شایع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ کتابیں مختلف موضوعات پر ہونگی جس اسکیم کے تحت یہ کام انجام دیا جائے گا اس کا مقصد یہ ہے کہ ہندی میں مقبول عام اور مقابلتاً کم قیمت کتابوں کی ایک بھاری تعداد کی اشاعت کا انتظام کیا جائے جو عام خواندہ اشخاص اور اداروں نیز لائبریریوں کے لئے موزوں ہوں۔ اسکیم کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ مرکزی وزارت تعلیم نے جو اصطلاحات وضع کی ہیں انھیں مقبول عام بنایا جائے۔ یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ابتدا میں ایک سو کتابوں کا ترجمہ کرایا جائے تاکہ وہ ایک سال کے اندر شایع ہوسکیں۔

پلان سے مہیا ہوگا

عوام کے لئے تعلیم



مفت پرائمری تعلیم
(چھ سے گیارہ برس کی عمر کے تک بشمول پانچ کروڑ بچوں کے لئے)
اعلیٰ اور ٹیکنیکل تعلیم کے زیادہ مواقع
استادوں کی تربیت کے لئے زیادہ سہولیات
زیادہ تعداد میں وظائف سے
آپ کے بچے تعلیم سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں گے۔

پلان کو کامیاب بنایئے — اس کا نتیجہ ہوگا

ہر شخص کے لئے اچھی زندگی

تیسرا پنچ سالہ پلان

بقیہ: ذکرِ آزاد

(۱)

"لسان الصدق"

"ماہوار رسالہ۔ زیر ایڈیٹری مولوی غلام محی الدین صاحب آزاد دہلوی۔

"دسمبر ۱۹۰۳ء تاراچند سٹریٹ، کلکتہ سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ مدعائے اجرا ترقی اردو، علمی مذاق کی اشاعت، بالخصوص بنگالہ میں اور اصلاح تمدن وغیرہ۔ یہ پرچہ ہونہار اور جاندار معلوم ہوتا ہے۔ خدا کرے فروغ و کامیابی حاصل کرے۔ ضخامت ۱۶ صفحے، قیمت ۱عہ سالانہ۔ نمونہ مفت"۔ [1]

(وکیل جلد ۹ نمبر ۲، مورخہ ۶ ر دسمبر ۱۹۰۳ء)

(۲)

"پروگرام جلسہ انجمن حمایت اسلام"

....

"تیسرا اجلاس ۲۲ر اپریل ۱۹۰۵ء

"[تقریر] ابوالکلام محی الدین صاحب آزاد ایڈیٹر رسالہ لسان الصدق۔ [عنوان] اسلام زمانۂ آئندہ میں" [2]

(وکیل جلد ۱۱ نمبر ۵، مورخہ ۱۵ ر اپریل ۱۹۰۵ء)

(۳)

"اسلام اجمیر میں" از "ابوالکلام آزاد دہلوی، لکھنؤ"

(وکیل جلد ۱۱ نمبر ۹۳ مورخہ ۱۷ ر نومبر ۱۹۰۵ء)

(۴)

مسلمانوں کا ذخیرۂ علوم و فنون اور یورپ کی سرپرستی (ماخوذ از رسالہ الندوہ) از ابوالکلام آزاد دہلوی"

(وکیل جلد ۱۱ نمبر ۹۰، مورخہ ۹ ر دسمبر ۱۹۰۵ء)

(۵)

[مولانا آزاد انجمن ترقی اردو کے اسسٹنٹ سکریٹری]

"محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اور اس کی علمی کارروائیاں (۳)"

"... مرزا اسد خاں صاحب نے تحریک کی کہ چونکہ مولوی شبلی نعمانی نے انجمن ترقی اردو کے عہدۂ سکریٹری سے استعفا دے دیا ہے، لہٰذا عہدہ مذکور مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب کو دے دیا جائے۔ یہ تحریک بالاتفاق پاس ہوئی اور ساتھ ہی خواجہ غلام الثقلین کی تحریک سے غلام حسنین صاحب اور ابوالکلام آزاد اسسٹنٹ سکریٹری مقرر ہوئے..."

(وکیل جلد ۱۱ نمبر ۱۲۲، مورخہ ۱۵ر جنوری ۱۹۰۶ء)

(۶)

"حضور نظام کی چالیسویں سال گرہ اور اراکین ندوۃ العلماء کا تہنیت نامہ"

"راقم ابوالکلام آزاد دہلوی از لکھنؤ"

(وکیل جلد ۱۱ نمبر ۱۲۷، مورخہ ۲۷ر جنوری ۱۹۰۶ء)

(۷)

"بڑے حسین والے حسین کی ضرورت نہیں"

(از ابوالکلام آزاد دہلوی از لکھنؤ"

(وکیل جلد ۱۱ نمبر ۱۲۹، مورخہ ۳۱ر جنوری ۱۹۰۶ء)

(۸)

"المرآۃ المسلمہ" (الندوہ سے ماخوذ)

"ابوالکلام آزاد دہلوی"

(وکیل جلد ۱۱ نمبر ۱۳۲-۱۳۳، مورخہ ۷ر-۱۰ر فروری ۱۹۰۶ء)

(۹)

المرآۃ مسلمہ [کا اشتہار]

"پردے کی تائید اور آزادی نسواں کی تردید میں علامہ فرید وجدی کی کتاب کا ترجمہ اردو میں کیا گیا ہے [3] قیمت صرف آٹھ آنے"۔

"المشتہر منیجر اخبار وکیل امرت سر"

(وکیل جلد ۱۰، نمبر ۔، مورخہ ۲۴ر اپریل ۱۹۰۹ء)

[3] مترجم کا نام اشتہار میں درج نہیں ہے۔

[1] ۹ر جون ۱۹۰۲ء کے وکیل (جلد ۸ نمبر ۲) میں "اخبار کے فوائد" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے، جو مخزن سے اخذ کیا گیا تھا، لیکن مضمون نگار کا نام درج نہیں ہے۔ غالباً یہ وہی مضمون ہے جو مولوی محی الدین احمد آزاد دہلوی (کلکتہ) کے نام سے مئی ۱۹۰۲ء کے مخزن (جلد ۳ نمبر ۲) میں "فن اخبار نویسی" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔

[2] اس جلسے میں اور جن لوگوں نے تقریریں کی تھیں، ان میں میاں محمد شفیع بیرسٹر، خواجہ غلام الثقلین، ڈاکٹر شمس العلماء مولانا نذیر احمد کے نام قابل ذکر ہیں۔ تقریریں درج اخبار نہیں ہیں۔

معاصر

ڈھٹائی

پٹنہ یونیورسٹی کا قضیہ اس شکل میں چل ہی رہا تھا کہ رانچی یونیورسٹی کے منتظمین کو نہ جانے کیا سوجھی کہ انھوں نے بھی ہندی کو اسی سال سے انگریزی کے ساتھ ذریعہ امتحان بنانے کا اعلان کر دیا جس کا لسانی اقلیتوں میں فوراً وہی ردعمل ہوا جو پٹنہ یونیورسٹی کے ابتدائی فیصلے سے ہوا تھا، چنانچہ طلبہ میں سخت ہیجان پھیل گیا۔ انھوں نے فوراً ایکشن کمیٹی کی تشکیل کی اور یونیورسٹی کے فیصلے کے خلاف زبردست تحریک چلا دی۔ اس وقت ان کا ایجی ٹیشن جاری ہے اور آثار سے پتہ چلتا ہے کہ اگر رانچی یونیورسٹی کے منتظمین نے جلد اپنے فیصلے پر نظر ثانی نہیں کی تو طلبہ کا ایجی ٹیشن رانچی ڈویژن کی حدود سے نکل کر ساری ریاست میں پھیل جائے گا۔

رانچی یونیورسٹی کے فیصلہ کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ایک اطلاع کے مطابق ڈویژن کے کئی ممتاز صنعت کاروں حتیٰ کہ بعض کالجوں کے پرنسپلوں نے بھی مخالفت کر کے یونیورسٹی کو اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی، لیکن منتظمین یونیورسٹی نے ساری مخالفتوں، اعتراضات کو ٹھکرا کر اپنے فیصلے کا اعلان کر دیا۔ اس ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ بھی فوراً ان کے سامنے آ گیا ہے۔ رانچی ڈویژن کے طلبہ نے فیصلے کے خلاف ایک زبردست محاذ قائم کر دیا ہے اور یہ صاف دکھائی دے رہا ہے کہ رانچی یونیورسٹی کا فیصلہ چلنے والا نہیں ہے، اسے بہرحال اپنا غلط فیصلہ واپس لینا پڑے گا۔

یہاں اس کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ رانچی ڈویژن کے بعض علاقوں خصوصاً جمشید پور میں لسانی اقلیتوں کی اکثریت ہے۔ وہاں غیر ہندی طلبہ کا تناسب ۹۰ فی صدی ہے ان میں اردو، بنگلہ اور اڑیہ بولنے والے طلبہ شامل ہیں۔ اس قدر طاقتور لسانی اقلیتوں کے جذبات و احساسات کو نظر انداز کر کے ان پر زبردستی ہندی نہیں ٹھونسی جا سکتی ہے۔ ہندی پریمی اس قسم کی حرکتوں سے اپنے ہاتھوں ہندی کے پیروں پر کلہاڑی مارتے رہتے ہیں۔

دور اندیشی اور تدبر کا تقاضا یہ ہے کہ رانچی یونیورسٹی کے منتظمین بغیر کسی تاخیر کے اپنے غلط فیصلے پر نظر ثانی کرتے ہوئے لسانی اقلیتوں کے اندر پھیلی ہوئی بے چینی اور اضطراب کو دور کریں۔ (آزاد ہند کلکتہ)

مراسلات

اُردو طباعت کے لئے رومن رسم خط

یکم فروری کے شمارے میں محمد احسن اللہ صاحب کا مضمون پڑھا۔ اُردو رسم خط کو بدلنے کی واقعی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے لیکن وہ کیسا ہو اس پر کوئی آخری فیصلہ نہیں ہو سکا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر اُردو رسم خط کو ہندی میں تبدیل کر دیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا لیکن اس طرح اُردو کا حلقہ محدود ہو جائے گا اور اس کے بعد پھر وہی دشواری پیش آئے گی جو آج ہندی کو دوسرے علاقوں میں پیش آ رہی ہے۔ بہتر یہی ہوگا کہ ایسا رسم خط اختیار کیا جائے جس سے زیادہ سے زیادہ افراد غیر [illegible] ملکوں کے بھی واقف ہوں۔ [illegible] رومن رسم خط سب سے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے اور اگر ایمان کی پوچھئے تو International Phonetics Association نے جو صوتیات تجویز کی ہیں وہ سب سے بہتر ہیں۔ ہندوستانی کی کچھ آوازوں کو چھوڑ کر اس میں سب آوازیں موجود ہیں۔ اس رسم خط کو جاننے والے تقریباً دنیا کے سارے ملکوں میں ملیں گے۔

احسن صاحب نے بھی وہی غلطی کی ہے جو ہمارے قدما کرتے آئے ہیں یعنی آوازوں کے مخرج کے بجائے شکل کے اعتبار سے حروف تہجی مرتب کئے ہیں۔ ایک دوسری غلطی انھوں نے یہ بھی کی ہے [illegible] کو ہائے مخلوط قرار دیا ہے۔ حالانکہ صوتیات میں [illegible] کوئی جگہ نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی انفرادی شکل ہی ہے۔ جس کو وہ ملی ہوئی آوازیں سمجھ رہے ہیں وہ ہندوستانی کی مستقل آوازیں ہیں اور معنی کے اعتبار سے بالکل آزاد ہیں۔ مثلاً 'بول' اور 'بھول' میں فرق ہے [illegible] کے باوجود ان کے معنی میں فرق ہے ورنہ [illegible] آواز بھی [illegible] جگہ سے نکلتی ہے۔ 'بول'، 'بھول' اور 'بھول' ان لفظوں کے معنی میں کیا فرق نہیں ہے؟

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں 'ھ' کی ملی ہوئی آواز کوئی چیز نہیں ہے [illegible] 'ھ' کو ملا کر نئی آواز بنانے کا قائل نہیں ہوں [illegible] جس میں 'گ' [illegible] کر کے لکھنے کا طریقہ رائج ہے اس کو میں بہتر نہیں سمجھتا بلکہ میں بہتر سمجھتا ہوں کہ جتنی بھی آوازیں ہیں ان کی شکل بھی علیحدہ ہونی چاہئے جیسا 'پھ' کے لئے P یا P کی شکل زیادہ بہتر ہے۔ احسن صاحب کچھ مروجہ شکلوں کو بھی بدلنا چاہتے ہیں مثلاً 'خ' کو KH لکھنے کے بجائے [illegible] 'خ' لکھنے کے لئے 'X' ہی بہتر ہے۔ اُردو کے لئے مندرجہ ذیل حروف بھی زیادہ مناسب ہوں گے

ک	کھ	گ	گھ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
K	[illegible]	G	[illegible]	X	C	C	J	J	H
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	I	[illegible]	[illegible]	Ř	T	[illegible]	D	D	N
[illegible]	[illegible]	ب	[illegible]	م	ی	ر	ل	و	س
P	P̱	B	Ḇ	M	y	R	L	V	S̱
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	
	X	S	Q	W	Z	M	L	Z	

اس طرح ہندی والوں کو بھی آسانی ہوگی۔ جو آوازیں صرف عربی یا فارسی کے لوگ نکالتے ہیں ان کو ہمیں ترک کر دینا ہے کیونکہ وہ لوگ اس رسم خط کو برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ اور ہمیں ان کی فکر سے زیادہ اپنی آئندہ نسلوں کی فکر ہے جن کے کندھوں پر ہماری زبان کا سہارا ہوگا۔

اب آتا ہے اعراب کا معاملہ۔ ان کو بھی مندرجہ ذیل طور پر درست کیا جا سکتا ہے:

اُ	آ	اِ	اِی	اُ	اُو	اے	اَئے
ɔ	a	i	ī	[illegible]	ū	e	ē
			اَو	اَو	اے		
			ō	o	e̱		

اعراب کی مثالیں دینا ضروری ہیں۔

ɔ = MɔGɔR = مگر	a = ag = اَگ
i = mil = مِل	ī = kīl = کیل
u = pul = پُل	ū = GūR = گھر
e = mel = میل	ē = bēl = بیل
o = moR = مور	ō = ōR = اور

[illegible]

ٹائپ اور طباعت میں صرف بڑے حروف (capital letters) استعمال ہوں گے۔ جیسا کہ آج کل کچھ نئے TYPEWRITER آ رہے ہیں۔ اُردو ٹائپ رائٹر کے لئے زیادہ سے زیادہ تیس [illegible] ہوں جن میں حروف تہجی اور اعراب دونوں آ جائیں۔

اب سوال آتا ہے جزم، تشدید، ہمزہ اور مد کا۔ جو رسم خط میں نے تجویز کئے ہیں ان میں ان کا سرے سے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔

مثالیں:

جزم = کل = kal
تشدید = شدت = Siddat
ہمزہ = آئی = aī
مد = آج = [illegible]

اس طرح اُردو رسم خط انگریزی سے بے تعلق بھی رہے گا اور انگریزی سے کچھ تعلق خاطر بھی باقی رہے گا۔

۸ فروری کے ہماری زبان میں سید شہاب الدین دسنوی کا جو مضمون "انگریزی رسم خط کے نئے حروف تہجی" شائع ہوا ہے، اس میں ARA کے حروف تہجی میں ہندوستانی کا کوئی نکتہ نہیں پیش کیا گیا۔ اسی لئے جو لوگ انگریزی سے ناواقف یا کم واقف ہیں وہ ان کی اس نئی انگریزی عبارت سے زیادہ فائدہ نہیں حاصل کر سکتے۔

(آفتاب حیدر ایم اے)

رسالہ دکن ریویو

یکم فروری ۱۹۷۲ء کے ہماری زبان میں جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب کا یہ لکھنا کہ اب اس کے پرچے کسی کتب خانہ میں مکمل نہیں ہیں۔ غالباً اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ حیدرآباد کے کسی کتب خانے میں دکن ریویو کے پرچے مکمل نہیں ہیں ورنہ سارے ہندوستان اور پاکستان کے کتب خانوں کے متعلق وہ ایسی رائے کیوں کر دے سکتے ہیں۔ میرے علم میں پٹنہ کے ایک کتب خانے میں دکن ریویو کی جلدیں مکمل تھیں اب پتہ نہیں کہ وہ کن تحقیقات پر بکھر گئے۔ اس وقت میں دیہات میں ہوں جو پٹنہ سے ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے اس لئے تفصیل سے اس بارے میں لکھنے سے معذور ہوں۔ انشاء اللہ آئندہ مارچ میں اس کے متعلق لکھ سکوں گا۔

ڈاکٹر عزیز الدین کا نام بھی ہماری زبان میں غلط چھپا ہے۔ موصوف کا نام دہشتی کانت نہیں بلکہ شمسی کانت چھوڑھیا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کا پہلا لیکچر "میں نے کیوں اسلام قبول کیا" ۲۶ اگست ۱۹۰۳ء کو فتح میدان حیدرآباد میں ہوا تھا۔ موصوف کا دوسرا لیکچر "تھیوری پروفٹ آف اسلام" کے عنوان سے مرزا قیام علی خان بہادر گھاٹ حیدرآباد دکن کے دولت کدہ پر ۸ ستمبر ۱۹۰۳ء کو ہوا تھا۔

ڈاکٹر شمسی کانت حیدرآباد کالج کے پرنسپل اور اس سے پہلے مہاراجہ کالج میسور میں تاریخ و فلسفہ کے پروفیسر رہ چکے تھے۔ وہ انگریزی، جرمن، فرنچ، سنسکرت، پالی، بنگلہ زبانیں جانتے تھے۔ جن دنوں وہ نواب سر وقار الامرا بہادر کے دربار سے منسلک تھے تو نواب صاحب نے ان کو آر۔ ٹلرڈ کی "لائٹ آف ایشیا" اور دوسری کتابیں پڑھنے کے لئے دی تھیں۔ اسلامی مسائل کی گہری تحقیقات میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے مولوی چراغ علی اور مولوی سید علی بلگرامی کے کتب خانوں سے بہت زیادہ استفادہ حاصل کیا تھا۔ ان کے دونوں لیکچر انگریزی میں ہیں۔ اسی زمانے میں چھپ کر تقسیم ہوئے تھے۔ دونوں لیکچروں کے نسخے میرے پاس محفوظ ہیں۔ حیدرآباد میں ڈاکٹر شمسی کانت کا قیام ... اور گھاٹ میں تھا اور لیکچروں کی کاپیاں میرے ...

(محمد بشیر الحق دسنوی بہاری)



ضیاء احمد بدایونی

تبصرے

(۱) فتوح الغیب (ترجمہ اُردو)

ملنے کا پتا۔ الجنۃ العلمیہ، چنچل گوڑہ، حیدرآباد ۲۔ آندھرا پردیش۔
قیمت۔ دو روپے ۵۰ نئے پیسے۔

حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رح کو اکابر اسلام میں جو عظمت، شہرت اور مقبولیت حاصل ہے وہ تعارف سے مستغنی ہے۔ حضرت شیخ کی ذات گرامی علم و عمل کا ایسا سنگم ہے جس کا تمام تذکرہ نگاروں نے اعتراف کیا ہے۔ آپ کی علمی یادگاروں میں مواعظ کے علاوہ متعدد کتابیں ہیں جن میں فتوح الغیب اور غنیۃ الطالبین بہت مشہور ہیں۔ ان سب میں شروع سے آخر تک کتاب و سنت پر عمل کی تاکید ہے۔

فتوح الغیب میں صحیح اسلامی تصوف کی جو ترجمانی کی گئی ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کتاب کے ترجمے اُردو میں پہلے بھی ہو چکے ہیں۔ زیر نظر ترجمہ جس میں ایک قدیم ترجمے کی زبان درست کی گئی ہے کافی سلیس اور عام فہم ہے۔ شروع میں التماس از شبلی یزدانی اور تعارف از مولانا عبدالماجد دریابادی (جو مولانا کی تصنیف تصوف اسلام سے نقل کیا گیا ہے) سے کتاب کی افادیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔

(۲) تنقید کے لئے خاکے

از ڈاکٹر سلیم حامد رضوی۔
ناشر۔ ادارۂ ادب و تنقید۔ بھوپال۔
ملنے کا پتا۔ ماسٹر بک ڈپو۔ موتی مسجد۔ بھوپال۔
قیمت۔ دو روپے۔

کتاب کا مقصد انتساب کی عبارت سے ظاہر ہے "اُردو کے ان طالب علموں کے نام جو تنقید سے گھبراتے ہیں اور تنقیدی کتابوں کے پڑھنے سے جی چراتے ہیں"۔

یہ دراصل لائق مرتب کے لیکچر نوٹس ہیں جن میں بقول ان کے "تخلیق کو کم اور ترتیب کو زیادہ دخل ہے"۔ یہ خاکے اُردو شعرا میں ولی سے شروع ہو کر جدید نظم لکھنے والوں پر ختم ہوتے ہیں۔ انھوں نے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اُردو طلبہ کے لئے ایک اچھی اور مفید خدمت انجام دی ہے۔ اور اسی کے ساتھ ہر باب کے آخر میں حوالے (REFERENCE) کی کتابوں کے نام بھی درج کر دئے ہیں تاکہ جن طالب علموں کے ذوق کی تشنگی باقی رہے وہ خاص خاص مباحث پر مزید مواد کا مطالعہ کر کے خود اس کمی کو پورا کر سکیں۔ ان میں سے کچھ خاکے پہلے چھپ چکے ہیں۔ مگر اس مرتبہ نظر ثانی کے بعد شائع کئے گئے ہیں۔

(۳) ذکرِ غم سنہ ۱۹۶۲ء

طبع کردہ محفل کتب اُردو۔ کراچی۔
قیمت ۷۵ نئے پیسے۔

مسلمانوں کو تاریخ و جغرافیہ سے جو غیر معمولی شغف رہا ہے اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے بڑے بڑے مورخ اور جغرافیہ نگار پیدا کئے اور تاریخ کو سائنٹفک بنیاد پر قائم کیا۔ اسی کے ساتھ یہ قابل غور چیز ہے کہ ان کے معاشرے میں روزمرہ کی چیزوں کے نام تک اپنی جغرافیائی یا تاریخی نسبت کی یاد دلاتے رہتے ہیں مثلاً چینی یا سینی (چین سے نسبت رکھنے والی)، مصری، تمر ہندی، صمغ عربی، سنائے مکی، نان خطائی، شامی کباب، وغیرہ وغیرہ۔ علیٰ ہذا جہانگیری چوڑیاں، اورنگ زیبی جوڑا، وغیرہ۔

فن تاریخ گوئی بھی اسی ذوق کی پیداوار ہے۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ یہ فن کب سے رائج ہے (زیر نظر رسالے میں بھی اس پر روشنی نہیں ڈالی گئی) مگر اس میں شک نہیں کہ یہ فن ایران سے نکلا۔ اور ہندوستان میں اس کو خاصی ترقی ہوئی۔ اصل غرض تو یہ تھی کہ کسی مشہور واقعے کے سنین کو محفوظ کرنے کے لئے اعداد ابجد کی مدد سے کوئی مناسب نام یا فقرہ یا مصرع نکالا جائے۔ مگر بعد کو لوگوں نے اس میں بڑی بڑی نکتہ آفرینیاں کیں۔

موجودہ رسالہ ذکرِ غم (جس کا نام تاریخی ہے سنہ ۱۹۶۲ء) ایک بزرگ سید انور علی شاد چھپوری مرحوم کی یاد میں مرتب کیا گیا ہے جو تاریخ گوئی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اور کی رعایت سے تمام عنوانات حتیٰ کہ قیمت کا اعلان تک تاریخی ہے۔ شروع میں فن تاریخ گوئی سے متعلق دلچسپ معلومات، ابجد کی مختلف قسمیں، اور استخراج تاریخ کے عجیب عجیب طریقے دئے گئے ہیں۔ اس کے بعد سید انور علی شاد کی روداد حیات، ان کے اقتباسات کلام کی خصوصیات اور قطعات تاریخ درج ہیں۔

مغلیہ دور میں خواجہ حسین مروی نے ایک قصیدہ لکھ کر اکبر کو پیش کیا تھا جس کے اشعار کے مصرع اول سے اکبر کی تخت نشینی اور مصرع ثانی سے جہانگیر کی پیدائش کی تاریخ نکلتی تھی۔ جس پر بقول بدایونی خواجہ حسین کو دو لاکھ تنکے نقد انعام میں عطا ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ اب ایسے قدردان کہاں، لیکن اچھا ہے کہ یہ فن باقی رہے۔ البتہ اس میں اتنا تصنع اور آورد نہ ہو کہ محض خطاء ادا ان کا ہر جملہ اعداد تاریخی پر مشتمل ہو۔ جیسا کہ شاد صاحب کے یہاں ہے۔ بہر حال امید ہے کہ اس فن کا مذاق رکھنے والے حضرات رسالہ مذکور کی قدر کریں گے۔

جلد دیکھئے

اگر آپ کے پتے کی چٹ پر سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ
آپ کا چندہ ختم ہو گیا ہے
مہربانی کر کے ہماری زبان کا سالانہ
چندہ مبلغ دو روپیہ منی آرڈر سے بھیجئے
تاکہ پرچہ سلسلہ جاری رہے

منیجر

گزارش

براہ کرم منی آرڈر بھیجتے وقت کوپن پر اپنا پتا صاف صاف اور خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیے۔ منیجر

پبلشر مدیر مسئول پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا